اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا جائز نہیں الا یہ کہ ان کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ آپ سے جنگ کی جائے اور آپ کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان مہینوں میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کا غیر منسوخ ہونا اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ابن وھب نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرمی کے قتل کی دیت ادا کی اور مال غنیمت اور دونوں قیدیوں کو واپس کردیا، نیز اس کے بعد جو قتال کی آیات نازل ہوئیں، وہ زمانہ کے اعتبار سے عام ہیں اور یہ آیت خاص ہے، اور عام خاص کو بالاتفاق منسوخ نہیں کرتا۔ (البحر المحیط جلد ۲، ص ۳۸۲۔ مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۴۱۲ھ) نیز لکھتے ہیں قاضی ثناء اللہ مظہری کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے ان کے نزدیک ان مہینوں میں ابتداءً قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ مدافعانہ جنگ جائز ہے۔ (تبیان القرآن، جلد اول، ص ۸۰۲۔۸۰۳، فرید بک اسٹال، اردو بازار لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۹ء) نوٹ: واضح رہے کہ علامہ سعیدی خود ان مہینوں کی حرمت کو منسوخ مانتے ہیں۔

اا۔ تفسیر نمونہ۔ جلد ۳، ص ۱۰۶، مصباح القرآن ٹرسٹ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور، (بحوالہ تفسیر البرہان، جلد دوم، ص ۱۳۲)

اور علامہ سعیدی اپنی تفسیر تبیان القرآن، جلد اول، ص ۸۰۳ پر رقمطراز ہیں:

”حضرت ابراہیم کے زمانے ہی سے ان مہینوں میں جنگ نہ کرنے کا دستور چلا آرہا تھا تاکہ لوگ امن میں حج اور عمرہ کا سفر کریں۔ اسمیں اختلاف ہے کہ یہ حرمت اب بھی قائم ہے یا منسوخ ہوگئی“

۱۲۔ فلا تظلموا فیھن ... ای الاشھر الحرام، انفسکم ... بالمعاص فانھا فیھا اعظم وزراً ... الخ

تفسیر جلالین، ص ۱۵۸، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، سن اشاعت درج نہیں۔

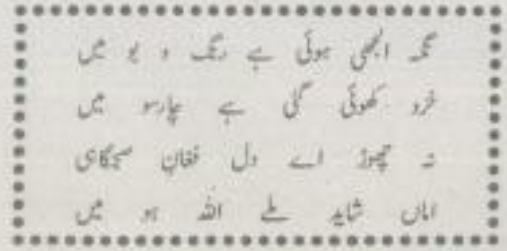

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اللہ ہو میں

اسلامی نظام خلافت کے امتیازات

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ ورے وال، کراچی

جامعہ نضرۃ العلوم کراچی میں ماہانہ فکری نشست منعقدہ یکم اگست ۲۰۰۴ء سے قومی ادبی انعام یافتہ دانشور محمد اعظم سعیدی کا خطاب

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ۔ قال عزوجل۔
﴿ وعد الله الذین امنو منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض الخ ﴾
صدق الله العظیم
ان الله وملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

امابعد! محترم المقام والاحترام، رفیع الشان والاحتشام، ذوی الاصائب والافہام، ذی وقار علماء کرام، مفکرین عظام، سامعین انام ۔۔۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد الیاس صاحب رضوی زید مجدہ کے ظل عاطفت میں جامعہ نضرۃ العلوم میں منعقدہ ماہانہ فکری نشست میں آج کا موضوع سخن ”اسلامی نظام خلافت کے امتیازات“ ہے۔ مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا مکمل ادراک ہے اور پھر ارباب فکر و نظر، اصحاب علم و دانش اور ارباب عمل کی موجودگی میں لب کشائی میرے لیے اگرچہ بہت ہی مشکل امتحان ہے مگر انہی حضرات کی حوصلہ افزائی اور دعائیں میری مشکل کشائی کریں گی۔ اب اس امید کے ساتھ گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں کہ اگر کہیں زبان لڑکھڑا جائے یا بیان گر پڑ جائے تو اہل علم مجھے مشق تنقید اور نشان تضحیک بنانے کے بجائے میری رہنمائی فرمائیے۔

معزز سامعین گرامی! اسلامی نظام خلافت کے امتیازات نہ تو اتنے محدود ہیں کہ انہیں حیطہ تحریر یا احاطہ حصر وشمار میں لایا جاسکے اور نہ ہی غیر معروف ہیں کہ انہیں اجاگر کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ اگر دنیا کے ماضی وحال کے دیگر نظاموں اور خلافت اسلامیہ کے نظام میں تقابل وموازنہ کیا جائے تو میرا ایمان ہے کہ خلافت اسلامیہ کے نظام کی ہر ایک دفعہ، ہر ایک حکم، ہر ایک فعل ممتاز واشرف ہے، خلافت اسلامیہ کا نظام، خواہ قیام امن وامان ہو یا عدل وانصاف ہو، حق حیات ہو یا حقوق کی مساویانہ تقسیم ہو، رواداری ہو یا دوسرے کے حقوق کی پاسداری ہو، مسلم کے حقوق وحاجات ہوں یا غیر مسلم ذمی کے حقوق وضروریات ہوں، جان ومال کا تحفظ ہو یا حق خود اختیاری ہو، مساجد کی حرمت ہو یا غیر مسلم معابد کی حفاظت وحرمت ہو، یہ نظام ہر حوالے سے بے مثال ہے اور وہ بھی ایسا کہ دنیا کا کوئی بھی نظام اس کا مد مقابل نہیں ہے۔ گویا اسلامی نظام خلافت بلا مقابلہ اشرف وممتاز ہے اور اس پر ہمارا ایمان وکامل ایقان ہے اسلئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ آفاقی نظام ہے بایں ہمہ محض تفہیم اور قلبی تسکین کے لیے چند باتیں گوش گذار کرتا ہوں۔

نظام سلطنت:

پہلے تو یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ حکومت وسلطنت کی اساس دو نظاموں پر قائم ہے ایک انسانی نظام، دوسرا الٰہی نظام۔۔۔۔ اور اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ ہر قوم، ہر مذہب اور ہر جماعت قیام حکومت پر مجبور ہے، اس لیے کہ قومی یا قومی زندگی میں، یا سماج کے ملے جلے معاشرے میں جب کوئی فتنہ ومخاصمت سر اٹھائے، یا کوئی ناہمواری کا مسئلہ پیش آئے تو اسے حکومت کے ذریعے حل کیا جائے، چونکہ انسانی طبائع مختلف ہیں، ہر آن فتنہ وفساد، جنگ وجدال کا خطرہ رہتا ہے، اگر کوئی ایسا نظام حکومت نہ ہو جو اس طرح کے سانحات وحوادثات کی روک تھام کر سکے اور مشاجرات کے فیصلے کر سکے تو نوع انسانیت کا کوئی بھی فرد اطمینان کا سانس نہ لے سکے۔

انسانی قانون:

انسان کا بنایا ہوا نظام نہ خامیوں سے مبرا ہوتا ہے اور نہ کمزوریوں سے منزہ ہوتا ہے، اس لیے کہ قانون ساز جماعت یا کونسل تمام انسانوں کے جذبات ومیلانات، ترجیحات وخیالات اور مسائل وحاجات سے کما حقہ واقف نہیں ہوتی اور نہ ہی عواطف وعواقب اور تصورات سے آگاہ ہوتی ہے، پھر قانون ساز کونسل کے اپنے ذاتی رجحانات بھی ہوتے ہیں اس لیے جب انسان قانون بناتا ہے تو اس میں حسب گنجائش اپنے نظریات کی رعایت ضرور کرتا ہے، کبھی قومیت ونسل پرستی کی بنیاد پر، کبھی سرمایہ داری وغربت کے نام پر، کبھی دین وعقیدے کی بنیاد پر قانون میں لچک پیدا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی طویل ترین تاریخ میں آج تک جامع اور ہمہ گیر قانون نہیں بنا سکا اور نہ ہی کوئی ایسا نظام وضع کر سکا ہے، بلکہ اسے بار بار اپنے قانون کو کبھی توڑنا پڑا، کبھی بدلنا پڑا اور کبھی ختم کرنا پڑا۔ انسان نے کئی دساتیر ونظام اور ازم متعارف کرائے ہیں، جیسے نیو ازم، نیو ازم، جین ازم،

بدھ ست ازم، گاندھی ازم، مارکس ازم، ماؤ ازم، سوشل ازم، نیشنل ازم، سیکولر ازم، کمیونزم، کیپٹل ازم اور جمہوریت وغیرہ کو متعارف کرایا مگر ان میں سے کوئی ایک نظام بھی نوع انسانیت کو مکمل اطمینان وسکون اور امن وسلامتی مہیا نہ کر سکا۔ بلکہ ان میں سے اکثر نظام اپنی موت آپ مر چکے ہیں اور باقی حالت سکرات میں ہیں پھر انسانی جماعت کے وضع کردہ نظام میں نہ مکمل انصاف ہوتا ہے اور نہ ہر فرد ومعاشرہ کی پاسداری ورعایت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قانون کا جو مفہوم کمزور ومحکوم کے لیے ہوتا ہے وہی مفہوم طاقتور وحاکم کے لیے نہیں ہوتا۔ انسانی وضع کردہ قوانین میں چونکہ نہ حقیقی عدل کی روح ہوتی ہے اور نہ انصاف میں سچائی ومساوات ہوتی ہے اس لیے یہ قانون مفاسد وفتن کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حقیقی عدل وامن کے لیے انسان نے اجتماعی طور پر کتنی کاوشیں کی ہیں اور اس کے لیے کتنی بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے قائم کیے ہیں جیسے سلامتی کونسل، یو این اے، انٹرنیشنل آرمی پلان، ورلڈ چیس کونسل، عالمی امن کانگریس، رشین امن مہم، امریکن امن بریگیڈ، یوسف ازم، ورلڈ پیس موومنٹ وغیرہم، مگر ان سب اداروں کے پس پردہ انسان اپنی ذاتی ترجیحات کا قیدی نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان تمام تحریکوں اور اداروں کے ہوتے ہوئے پھر بھی دنیا نے دیکھا کہ انسانوں کو دو عالمی جاہ کن جنگوں یعنی فرسٹ ورلڈ وار (۱۹۱۴ء) اور سیکنڈ ورلڈ وار (۱۹۳۹ء) سے دوچار ہونا پڑا۔

الٰہی قانون:

انسان کے وضع کردہ نظام سلطنت کے مقابلے میں دوسرا نظام سلطنت، نظام الٰہی ہے جسے خلافت یا اسلامی حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان قوانین کی وضع وساخت میں انسانی جماعت کا کوئی کردار یا عمل دخل نہیں ہے، یہ قانون اس احکم الحاکمین کا وضع کردہ ہے جو جملہ کائنات ومافیہا کا خالق ومالک ہے اور ہر ایک شے کے قیام، قوام اور اس کی نشو ونما میں اسی کا قانون فطرت کارفرما ہے۔ علم الٰہی چونکہ تمام تر کائنات ومافیہا کو محیط ہے، وہ عرش علیٰ سے تحت الثریٰ تک اور امر کن سے ابد الآباد تک ایک ایک ذرہ کی خبر رکھتا ہے، اس لیے اپنے ذاتی، ازلی اور دائمی علم کے باعث اس کا وضع کردہ قانون سب کے مزاج، خیالات، فطرت اور تمام کائنات کے حالات کے عین مطابق ہے لہذا قوانین الٰہی ہر چیز اور ہر آدمی کے لیے موافق ومفید ہیں۔

انسان کو اس کائنات میں اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، اسے عقل وفہم، اختیار، ادراک اور عزم صمیم جیسی دولت سے سرفراز فرمایا گیا ہے، اسے شمس وقمر کی تسخیر کی نوید سنائی گئی ہے، بحر وبر کو اس کی جولان گاہ بنایا گیا ہے، اسے ستاروں پر کمند ڈالنے کی ہمت سے نوازا گیا ہے۔ بایں ہمہ ممکن تھا کہ انسان اپنے ارادے اور اختیار سے غلط یا منفی کام لے اور اس کا یہ اختیار دوسرے کمزور انسانوں کے لیے جبر وبال بن جائے تو اس کی روک تھام کے لیے اسلامی خلافت وحکومت میں قوانین سلطنت کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے تاکہ کوئی بھی طاقتور یا حکومتی نمائندہ

لوگوں پر جور و جبر نہ کر سکے۔ حدود سلطنت میں امن و امان برقرار رہے اور ہر انسان اپنے حقوق سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے۔

اسلامی نظام خلافت کا مقصد:

اسلامی نظام خلافت کا اولین مقصد یا مطمح نظر دنیا کی بے وقعتی و بے ثباتی کو ذہنوں میں جاگزیں کر کے رعایا کو یہ ترغیب و ترہیب دی جاتی ہے کہ وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، یعنی اسلامی نظام حیات میں نہی عن المنکر سے پہلے، اس فعل منکر کے اُخروی نقصانات ذہنوں میں راسخ کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح امر بالمعروف سے پہلے عملی طور پر اس فعل معروف کے اُخروی فوائد سے آگاہ کیا جاتا ہے، گویا اسلامی نظام خلافت میں تبلیغ، ترغیب اور ترہیب کو اولیت حاصل ہے اور ارکان سلطنت کی سطح سے انہی تینوں عوامل کے ذریعے لوگوں کو سرکشی و بے راہ روی سے روکا جاتا ہے، اگر یہ تینوں طریقے کارگر نہ ہوں اور معاشرہ قوانین الٰہی سے بغاوت پر سر ابھارے یا گمراہی کی طرف دوڑے تو خلافت اسلامیہ اس نازک موقعہ پر قانون سے کام لیتی ہے، پھر اس حوالے سے معافی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ اسلامی نظام خلافت، نام ہی اس پورے نظام سلطنت پر عمل پیرا ہونے کا ہے جسے نوع انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے وضع فرمایا اور اس کے رسول برحق ﷺ نے نافذ فرمایا ہے، جسے خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج النبوۃ بھی جاری رکھتی ہے۔ گویا یہ مسلّم حقیقت ہے کہ اسلامی نظام خلافت سراسر دینی و ربانی نظام حکومت ہے جس کے قوانین کی ترتیب و تدوین میں انسان کا کوئی کردار نہیں ہے۔ یعنی اسلامی نظام خلافت میں انسان صرف قانون الٰہی نافذ کرتا ہے اپنی طرف سے کوئی قانون وضع نہیں کرتا۔

امتیازی شان:

مذکورہ حقیقت کی بناء پر اسلامی نظام خلافت کی یہ امتیازی شان ہے کہ یہ ہر انسان کو امن و عافیت کی مضبوط و مکمل ضمانت دیتا ہے، جس طرح اندرون ملک افراد کو ہر طرح سے تحفظ فراہم کرتا ہے اسی طرح خارجی تعلقات میں بھی ایفائے عہد اور ان کے تشخص کو قائم رکھنے کی ضمانت دیتا ہے۔۔۔۔۔ اس نظام میں انسانی وحدت، مساوات، باہمی تعاون، انسان نوازی، انسانی ہمدردی، حسن سلوک، صلح جوئی، ایثار و اخلاص، رواداری، فیاضی، شرف انسانی، عفو و درگذر، حریت فکر، عدل و انصاف، معاہدات کی پاسداری، اخوت، مروت و محبت کو جزو لازم کی حیثیت دی گئی ہے اسی طرح کے دیگر قوانین بھی ہیں کہ جس کی مختصر تعبیر "اسلامی نظام خلافت" یا آئین حکومت ربانی ہے۔

یہ نظام بزور شمشیر، طاقت کے بل بوتے پر محض اجسام و اخلاق پر حکمرانی کا قائل نہیں بلکہ یہ سب سے پہلے دلوں میں خوف خدا، فکر آخرت اور انجام بخیر کا عقیدہ راسخ کر کے حاکم و رعایا کو ایک ہی گلدستہ میں سجا دیتا ہے۔

اسلام کے نظام خلافت میں کبر و غرور، دولت و طاقت، ملکی، نسلی، قومی، ملی، قومیتی عصبیت اور حب جاہ و اقتدار کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہ نظام جنس و ملک، زبان و بیان اور شعوب و قبائل کے اختلاف کو وجہ تفریق و تقسیم نہیں بناتا، بلکہ ایسے تمام وجوہات و لوازمات کو مظاہر قدرت اور اسباب تعارف و ذرائع شناخت بتاتا ہے اور شرف و امتیاز کا معیار صرف خدا ترسی اور پرہیزگاری کو قرار دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن اٰیاته خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتکم والوانکم ، ان فی ذالک لاٰیات للعلمین۔

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے، بیشک اس میں عالمین (عقلمندوں) کے لیے نشانیاں ہیں۔ (الروم)

جینے کا حق اور فرد کی حفاظت:

اسلامی نظام خلافت میں خلیفۂ وقت یا حکومت کے احکامات و عملی اقدامات کا بنظر غائر اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ یقین آ جاتا ہے کہ خلافت اسلامیہ کا ہر امر و فعل از خود ممتاز ہے، اور یہ عقیدہ حق الیقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے کہ دنیا کے تمام نظاموں میں اسلامی نظام خلافت کو مکمل امتیاز و تفوق حاصل ہے، بایں ہمہ اسلامی نظام خلافت میں میرے نزدیک اہم ترین امتیاز بلا تفریق دین و مذہب، رنگ و نسل، عربی و عجمی فرد کی مجموعی حفاظت اور اسے جینے کا حق دینا ہے۔

مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے، جرائم میں سب سے بڑا جرم اور مظالم میں سب سے بڑا ظلم ہے خود رب العلمین نے اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے (ان الشرك لظلم عظيم) مگر اللہ تعالیٰ نے اس ظلم عظیم کی کوئی سزا دنیا میں تجویز نہیں فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ظالم مشرک کو فوراً قتل کر دینے، اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے، یا اسے تختۂ دار پر لٹکانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندہ رہنے اور زندگی گذارنے کا پورا حق دیا جاتا ہے اور اس کی ضروریات و حاجات اسی طرح پوری کی جاتی ہیں جیسے فرمانبردار و اطاعت شعار بندوں کی حاجات و ضروریات پوری کی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پانی، آگ، ہوا، سورج، چاند، زمین، آسمان، صحت و تندرستی، عقل و فہم، قوائے جسمانی، حواس خمسہ، اعضاء و جوارح، راحت و لذت، بحر و بر، اور کائنات کا ذرہ ذرہ بلا تفریق مذہب و دھرم، رنگ و نسل ہر فرد کے لیے عام ہیں۔ اسی طرح اسلامی نظام خلافت میں امن و امان، سکون و اطمینان، اور جینے کا حق ہر ایک کے لیے ہے، دین و عقیدے کا تعلق از قبیل اختیار ہے، "لا اکراہ فی الدین" دین کے معاملے میں کوئی جبر روا نہیں ہے، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ومرغوب دین اسلام ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" یعنی کفر و شرک کی آمیزش والا یا تحریف شدہ کوئی دین اسے پسند نہیں ہے لیکن بایں ہمہ اسلامی نظام خلافت میں جینے اور زندگی گذارنے کے حق میں کوئی تفریق نہیں

Seminar Library

ہے اسی طرح حقوق و معاملات، تحفظ جان و اسباب سب کے لیے یکساں ہے، مذہبی آزادی، اظہار خیال کی آزادی اور اختیار کی نعمت سب کے لیے ایک جیسی ہے۔

اسلامی نظام خلافت کو سمجھنے کے لیے خلافت راشدہ کے عہد کا مطالعہ کیا جائے تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ خلافت اسلامیہ اپنے عہد خلافت میں ہر فرد کو جان کی حفاظت، مال کی حفاظت، عقل و عقیدے کی حفاظت، عزت و عصمت کی حفاظت، مساجد و معابد کی حفاظت اور دین و مذہب کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے، اپنے مفتوحہ علاقوں میں، کلیسا، صومعہ، آتش کدہ، مندر، گوردوارہ کی حرمت کا پاس رکھتی ہے یعنی اپنی حدود سلطنت میں خلافت اسلامیہ فرد کو نہ جسمانی آزار پہنچاتی ہے نہ روحانی، جیسا کہ یورپی مصنف و مورخ گستاؤ لیبان لکھتے ہیں۔

خلفائے اسلام نے واضح فرمان جاری کر دیا تھا کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب و رسوم اور کنائس و آثار کی مکمل حفاظت و حرمت کی جائے گی، البتہ اس مذہبی و شخصی اور اختیار و ارادے کی آزادی اور جان و اسباب اور معابد و آثار کی حفاظت کے بدلے میں ان سے انتہائی معمولی و خفیف سا خراج "جزیہ" لیا جائے گا جو ان مطالبات و مطلوبات سے بہت ہی کم تھا جو ان اقوام کے سابقہ حکمران، ان سے وصول کیا کرتے تھے (بحوالہ تمدن عرب)

یہی ڈاکٹر لیبان مزید لکھتے ہیں۔۔۔ خلفائے اسلام نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف و انسانیت کا برتاؤ کیا اور انہیں مذہب کی پوری آزادی دی، ان کے عہد میں مشرقی اور مغربی کلیساؤں کے اساقفہ کو جتنا سکون و اطمینان ملا اس سے پہلے نہیں ملا تھا۔۔۔ علاوہ ازیں بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منادی کرا دی کہ اس شہر کے باشندگان کے جان و مال کی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں، ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔ اور مسلمان، عیسائیوں کے کلیسا اور یہودیوں کے صومعہ میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہونگے۔ (ترجمہ بحوالہ تمدن عرب)

ایک غیر مسلم نقاد و مورخ جس حقیقت کا اعتراف کر رہا ہے تو کیا خلافت اسلامیہ کی ایسی حکمرانی لوگوں کے لیے رحمت نہیں ہے کہ جس کے زیر سایہ نوع انسانیت کو چاہے وہ عیسائی ہوں یا یہودی، پارسی ہوں یا مجوسی، بت پرست ہوں یا سکھ، جین مت ہوں یا بدھ مت، سب کو آرام و سکون کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

قوانین ربانی کا نفاذ:

خلافت اسلامیہ کا ایک بڑا امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے وضع کردہ قوانین کے بجائے اللہ رب العلمین کے قوانین کو نافذ کرتی ہے جس میں نہ افراط و تفریط ہوتی ہے۔ نہ ظلم و جبر ہوتا ہے اور نہ ہی افراد رعایا میں کوئی تفریق و امتیاز ہوتا ہے، جو قانون گدا کے لیے ہوتا ہے وہی بادشاہ کے لیے ہوتا ہے جو آجر کے لیے ہوتا ہے وہی اجیر کے لیے ہوتا ہے جو فقیر کے لیے ہوتا ہے وہی امیر کے لیے ہوتا ہے جو خدمت کے لیے ہوتا ہے وہی فراخ

دست کے لیے ہوتا ہے جو مسلم کے لیے ہوتا ہے وہی غیر مسلم ذمی کے لیے ہوتا ہے جو قانون انہوں کے لیے ہوتا ہے وہی غیروں کے لیے بھی ہوتا ہے یہ ہے اسلامی نظام خلافت کا امتیاز کہ معاشرے کے ہر فرد کے لیے یکساں پالیسی اور یکساں قانون ہوتا ہے اور یہ قانون بھی انسانی نہیں ربانی ہوتا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ خلافت اسلامیہ اپنے مکمل نظام و قوانین کے ساتھ موجود و قائم ہو اور پھر ریاست میں بدنظمی و بدانتظامی، انتشار و تشتت، بے یقینی و بے اطمینانی بھی ہو، اسلامی نظام خلافت میں فتنہ و فساد، قتل و غارتگری، قزاقی، قبضہ گیری، استحصال و استیصال جیسی کوئی برائی نہیں پنپ سکتی اور نہ ہی ایسی کوئی اسکیم کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ نظام، افراد حکومت کے لیے امن و امان اور سلامتی کا انتظام کرتا ہے اور ملک و رعایا کے لیے بھی کرتا ہے، گویا انفرادی و اجتماعی، یعنی ایوان اقتدار کے ارکان اور رعایا کو ہر حوالے سے بحیثیت انسان جینے کا حق اور پر امن زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس لیے خلافت اسلامیہ اپنے نظام کے مطابق ایسے تمام عوامل پر قانون کا پہرہ بٹھا دیتی ہے جو انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے مہلک و مضر ہوں، یعنی اخلاق و اعمال کی راہ سے بھی اور عقائد و معاملات کی راہ سے بھی کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جاتا جس کے لیے باضابطہ قانون موجود نہ ہو۔ کیونکہ خلافت اسلامیہ میں جب عقائد کی پختگی حاصل ہوتی ہے تو معاملات کی درستگی و صفائی لازمی قرار دی جاتی ہے۔ جب اعمال و اخلاق درست ہو گئے تو ملک فتنہ و فساد کی گرم بازاری سے محفوظ ہو جائیگا۔

انسانی اور ربانی نظام میں امتیاز:

انسانی اور ربانی نظام حکمرانی میں جو چیز زیادہ سے زیادہ مابالاشتراک ہے وہ امن و امان کا قیام ہے۔ جس طرح خلافت اسلامیہ کے نظام کے لیے امن و سکون کی ضرورت ہے اسی طرح انسانی نظام حکومت میں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر دونوں نظاموں میں بعد المشرقین ہے، کیونکہ انسانی نظام حکمرانی میں امن و امان صرف اس قدر ضروری سمجھا جاتا ہے کہ جس سے حکمران طبقہ کا اقتدار قائم و برقرار رہے، ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ حکمران ہمیشہ لڑاؤ اور حکومت کرو جیسے نظام کے پشت پناہ ہوتے ہیں۔ ایسی حکومتیں جو پارٹی یا کسی مذہب کے نام پر قائم ہوتی ہیں یا جو بغاوت و فوج کی بناء پر حکومت بناتے ہیں وہ قصداً ملک میں فساد و غارتگری کراتے رہتے ہیں، اسکے برعکس خلافت اسلامیہ اپنے مستحکم نظام کے باعث ایک لمحہ کے لیے بھی بدنظمی، جدال و قتال اور فتنہ و فساد کو برداشت نہیں کرتی۔

انسانی نظام حکومت پر اسلامی نظام خلافت کو ایک امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ خلافت اسلامیہ ہر انسان کو بلا تفریق اس کے فطری حقوق بخشتے اور حقیقی عدل و مساوات قائم کرنے کے لیے قائم ہوتی ہے اور اس کا خاص مشن ظلم و زیادتی کو روکنا ہوتا ہے، جبکہ انسانی حکومت عام طور پر کسی طاقتور شخص یا خاندان یا ایک مضبوط پارٹی یا قوم و قبیلے کے اغراض و مقاصد پورے کرنے کے لیے وجود میں آتی ہے، اور اس کا منشاء و مشن مدمقابل کمزور افراد،

جماعتوں، خاندانوں، قوم قبیلوں کو بالا اور اطاعت گذاری پر مجبور کرتا ہوتا ہے۔

خلافت اسلامیہ کی برکات:

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام خلافت کی برکات سے پورا ملک اور سارے لوگ خوش و خرم رہتے ہیں۔ جان و مال، عزت و آبرو کو محفوظ پا کر چین کی نیند سوتے ہیں، ہر آن باران خیر و برکت سے لطف اندوز ہوتے اور راحت و لذت حاصل کرتے رہتے ہیں، اس نظام حکمرانی میں نہ کوئی فقر و فاقہ کی زنجیروں میں جکڑا ہوتا ہے اور نہ ظلم و تعدی کی چکی میں پس رہا ہوتا ہے اور نہ کوئی جور و جبر کا تختۂ مشق بنتا ہے اور نہ ہی کسی جابر و ظالم اور شہ زور کو خودسری کا موقع دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نظام میں قوی و ضعیف کی تفریق نہیں ہوتی۔ نہ ہی خاندانی و قبائلی عصبیت کا دور دورہ ہوتا ہے اور نہ ہی غریب و نحیف کسی شہ زور انسان کی غلامی، پوجا اور خوشامد پر مجبور ہوتا ہے۔

اس کے برعکس انسان کے وضع کردہ نظام حکمرانی میں امتیازی سلوک کا قانون نافذ ہوتا ہے۔ کسی کے لیے بحیثیت ظالم زندگی گذارنا روا ہوتا ہے تو کوئی مظلوم بن کر زندگی بسر کرتا ہے، برسر اقتدار طبقہ محکوم لوگوں کی زندگی زہر کر دیتا ہے، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رہتا ہے، مختلف حیلوں بہانوں سے مخالفین کو پابند سلاسل کیا جاتا ہے، غریبوں کا خون چوسا جاتا ہے، اظہار خیال پر پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں۔ غرض کہ اس نظام میں عدل و مساوات مفقود ہو جاتا ہے، محکوم کی عزت و آن، ہر آن غیر محفوظ رہتی ہے اور جان خطرے کے نشانے پر رہتی ہے۔

اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ خلافت اسلامیہ کا نظام کسی فرد کا محتاج نہیں ہے، اس کی قانونی حیثیت اس پر موقوف نہیں ہے کہ اسے کوئی جماعت، کوئی خاندان یا ارباب شعور و ادراک، یا زعمائے مملکت کی اکثریت اسے تسلیم کرے، بلکہ وہ تو ساری کائنات کے حقیقی خالق و مالک کے وضع کردہ ہونے کے باعث مسلم ہے لہذا جو جماعت یا فرد اس سے انحراف و روگردانی کرے گا وہ عند اللہ مجرم ہوگا، اور جو عدالت اور حکام اس کے نظام عدل سے انحراف کرتے ہیں وہ یقیناً باغی ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (نظام) کے موافق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں۔" (سورہ مائدہ)

نیز انسانی قانون (فرد واحد کا نافذ کردہ) اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک ایک قانون ساز جماعت اسے قبول کر کے قانون کی حیثیت سے اس کی منظوری نہ دے دے۔ یا یہ کہ کسی عدالت کی تائید و تصویب اسے حاصل نہ ہو جائے، نیز یہ قانون بھی تعظیم و تقدیس کی نعمت سے تہی دامن ہے، پھر یہ قانون جزو ایمان بھی نہیں کہ لوگ دل کی گہرائی سے اس کا احترام کریں یا عقیدت کا مرکز سمجھ کر اسکے گرویدہ ہو جائیں یا اپنے دل کو اس کی اتباع پر مجبور کریں اور ہر مقام و ہر جگہ اس کا احترام ضروری سمجھیں۔ بلکہ انسانی قانون کی حیثیت تو یوں ہے کہ فرد کی جس حد تک ذاتی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے مانتا ہے جہاں اس کا کام رک جاتا ہے وہاں اس کی خلاف ورزی کرتا

ہے، فرد کی زیادہ سے زیادہ کوشش بس اتنی ہی ہوتی ہے کہ حکام کو اس کی خبر نہ ہو۔

اسکے برعکس خلافت اسلامیہ اپنے نظام کو چلانے کے لیے جس قانون الٰہی کو اساس بناتی ہے وہ مقدس و محترم ہوتا ہے، جزو ایمان ہوتا ہے، ظاہری جسم کے ساتھ ساتھ قلب و دماغ بھی اس کے تابع فرمان ہوتے ہیں ہر مقام پر بلکہ ہر وقت اس کا احترام کرتے ہیں اور خود پر اس کا التزام فرض گردانتے ہیں۔ اس قانون سے سچی عقیدت رکھتے ہیں اس کی تعمیل میں رضائے الٰہی، فلاح دارین اور اخروی نجات کا صدق دل سے یقین رکھتے ہیں۔

اسلامی نظام خلافت کا استحکام:

غیر الٰہی نظام حکومت کے قوانین، بدلتے حالات اور جدید مسائل و ایجادات کے تقاضوں کے پیش نظر ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انسان خود بھی محدود ہے اور اس کی پرواز بھی محدود ہے اس لیے انسانی قانون میں وحدت و یکسانیت نہیں ہوتی۔ مگر خلافت اسلامیہ کی طرف سے نافذ کردہ قوانین الٰہیہ دائمی و دوامی ہوتے ہیں جو جدید سے جدید مسائل کو بھی نہ صرف اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں بلکہ ان میں ایسی لچک اور وسعت ہوتی ہے کہ ہر دور میں اور ہر ماحول میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ کسی بھی مرحلے پر وہ انسان کو تاریکی میں نہیں چھوڑتے، یعنی ہر فرد و معاشرہ کو اس کے فطری اور فطرتی حقوق مہیا کرتے ہیں۔ نیز رب العلمین کے تجویز کردہ یہ قوانین عالمگیر اور سراپا ہدایت ہونے کے باعث ان کی وحدت و یکسانیت میں کبھی کوئی فرق نہیں آتا۔

علاوہ ازیں انسانی قانون صرف چند منتخب اور سربرآوردہ افراد کی رائے سے بنتا ہے جو یقینی طور پر ملک کی ایک بڑی اکثریت کی نظر میں ناقابل اعتماد ہوتا ہے، دوم یہ کہ قابل اعتماد افراد کے تسلیم کر لینے کے باوجود بھی دوسرا انسان سوچتا ہے کہ یہ بھی ہم جیسے انسان ہی ہیں جو دنیاوی رذائل سے قطعاً پاک نہیں ہیں اس لیے یہ قانون عام افراد کی نظروں میں زیادہ وقیع نہیں ہوتا۔۔۔ جب کہ قانون الٰہی ان تمام عیوب و تصورات سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ کہ خلافت اسلامیہ کا نظام ملک اور قوم کو جو تحفظ، امن و سلامتی اور سکون و طمانیت عطا کرتا ہے وہ سب قوانین الٰہیہ کا فیض ہے اور رب العلمین کے رحم و کرم کا صدقہ ہے اسی لیے یہ نظام سارے عالم کے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔

بین الاقوامی وحدت اور عدل و مساوات:

اسلامی نظام خلافت کا ایک یہ امتیاز بھی ہے کہ وہ امن و سلامتی کا مبلغ ہے اور امن و سلامتی کی اساس عدل و مساوات پر قائم ہے افراد اگر عدل سے محروم ہوں اور عدم مساوات کا شکار ہوں تو انہیں امن و سکون اور اطمینان و سلامتی میسر نہیں آسکتی۔۔۔۔ اسلام کے عہد زریں سے قبل دنیا کے گوشے گوشے میں اونچ نیچ، ذات پات، شریف و کمین اور حاکم و محکوم کی تفریق شد و مد سے موجود تھی۔ اس وقت دنیا کا کوئی نظام حکومت و حکمرانی ہے

انصافی اور جور و تعدی سے پاک نہیں تھا۔ ہر قوم کبر و نخوت، اور غرور و عُجب کی دعویدار تھی۔ یہودی کہہ رہے تھے لیست النصاری علی شئ کہ عیسائی بے وقعت و لاشئ ہیں اور عیسائی کہہ رہے تھے لیست الیھود علی شئ کہ یہودی بے حیثیت و لاشئ ہیں، اس کبر و نخوت کا یہ عالم تھا کہ طاقت کے بل بوتے پر انسان، انسان کا خدا اور دیوتا بنا بیٹھا تھا، کمزوروں کو غلام بنایا جا رہا تھا، انا کی تسکین کے لیے انسانیت کو تہ تیغ کرکے مشرق و مغرب فتح کیے جا رہے تھے ایسے نازک دور میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے عدل و مساوات اور انصاف و رواداری کی صدا بلند فرمائی اور اس امتیاز کی بیخ کنی فرمائی جو شہری و دیہی، کمزور، برہمن و شودر، آقا و غلام، شریف و کمین، سپارٹی و ہیلاط وغیرہ میں صدیوں سے قائم تھا، اسی طرح جو تفریق و تفاوت، غلو و امتیاز، عیسوی و موسوی قانون میں موجود تھا اسے بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

تاریخ عالم میں فخر و امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے پوری قوت سے انسان کو یہ ذہن نشین کرایا کہ تمام نوع انسانیت ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور تم سب ایک جان سے پیدا کیے گئے ہو، اسلام نے یہ اعلان کیا کہ خاندان قبیلہ، اور ذات پات کی تقسیم صرف باہمی تعارف و شناخت کے لیے ہے، جس کی نہ کوئی قانونی حیثیت ہے اور نہ یہ وجہ فخر و امتیاز ہے، البتہ امتیاز کی چیز عنداللہ صرف تقویٰ ہے۔ جو جتنا متقی ہوگا اتنا ہی عنداللہ معزز و مکرم اور شریف شمار ہوگا۔

اور یہ بھی واضح کیا کہ ماں باپ کے لفظ سے یہ دھوکہ نہ کھانا کہ ماں اور باپ کی اصل الگ الگ ہے اور یہ بھی نہ سوچنا کہ نسل انسانی دو مادوں سے مرکب ہے یا نوع انسانیت مختلف پیڑوں کی شاخیں ہیں۔ ایسی سوچ نسل انسانی کی وحدت کو پارہ پارہ کر دے گی۔ اسلام نے قلوب و اذہان میں یہ عقیدہ راسخ کیا کہ دونوں یعنی ماں اور باپ کی بنیاد ایک ہی ہے کیونکہ عورت بھی مرد یعنی تمہارے باپ ہی کی جنس سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا و نساء (سورۂ نساء)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ پیدا کی، اور ان دونوں سے بیشمار مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں"۔

رشتۂ وحدت کی اہمیت:

اس کا منشاء و مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ساری نوع انسانیت کی جڑ یا بنیاد صرف ایک ہے یعنی تمام انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں ایک درخت کی شاخیں ہیں جس طرح شاخوں ٹہنیوں کا ملاپ و اتصال درخت کے حسن و رعنائی میں اضافہ کرتا ہے اسی طرح تمام نوع انسانیت کا باہمی میل جول اور رشتہ، شجر انسانیت کو خوبصورت اور

اطمینان و سکون کی نعمت سے سرفراز کرے گا۔ گویا اسلامی نظام خلافت کا منشاء ہی یہ ہے کہ نوع انسانیت میں بحیثیت انسان تفریق نہ ہو، ان میں انتشار و افتراق نہ ہو، مسائل و معتقدات، جدائی کا سبب نہ بنیں بلکہ سب مل کر زندگی بسر کریں، باہم ذکر اخوت و رواداری کا سلوک رکھیں اور نفرت و عداوت کے بیج کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کریں یہ نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہی ہے جو تمام انسانوں کو مل جل کر رہنے کا سبق دیتا ہے جیسے کہ ایک باپ کی اولاد بھائی بھائی بن کر رہتی ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد الٰہی کا یہی تقاضہ ہے کہ انسان کسی بھی حالت میں باہمی تعلق کو فراموش نہ کرے جس طرح سگے بھائی اپنے رشتہ کا لحاظ و پاس فرض سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت آدم کے سارے بیٹے بھائی بن کر رہیں۔ انسان اگر قدرت و فطرت کے قائم کردہ اس فطری رشتے پر غور کرے اور ارشاد باری تعالیٰ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا (اور اے لوگوں اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو، اور قرابت کے رشتے کو توڑنے سے پرہیز کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کا نگران ہے) پر ایمان لے آئے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ دنیا میں موجود انتشار، افتراق، بے چینی، بے اطمینانی، خوف، خارجگی ختم ہو جائے گی۔ مگر اس قدرتی رشتہ کی قدر نہ کل تھی نہ آج ہے، ان آیتوں میں جب سارے انسانوں کی بنیاد ایک فرد کو قرار دیا گیا ہے تو یہیں سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ سارے انسان بحیثیت انسان معاشرتی طور پر برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ انسانی برادری میں مساوات برقرار رکھنا چاہتے ہیں اس لیے من و تو کی بحث کا خاتمہ ضروری ہے۔

احادیث اور رشتۂ وحدت:

مذکورۃ الصدر موقف کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

۱۔"ان اللہ اذھب عنکم عصبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء" "یعنی اللہ تعالیٰ تحقیق طور پر جاہلیت کی عصبیت اور باپ دادا پر فخر کرنے کو تم سے مٹا چکے ہیں۔" (مشکوٰۃ شریف)

۲۔"الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب" سارے لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

۳۔"انسا بکم ھذہ لیست بمسبۃ کلکم بنو آدم" "تمہارے یہ انساب عار نہیں تم سب آدم کے بیٹے ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

۴۔"الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ" "تمام مخلوق خدا کی عیال ہے لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے حسن سلوک سے پیش آئے گا وہی محبوب خدا ہوگا۔ (مشکوٰۃ: باب الشفقۃ)

۵۔"لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ" "جو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت کے باعث جنگ کرے وہ

ہم میں سے نہیں اور جسکی موت عصبیت پر واقع ہوئی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مشکوۃ باب الجنائز)

بہر حال جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں وہ وحدت انسانیت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں، ان تمام احادیث و آیات میں خطاب عام ہے جو جملہ نوع انسانیت کو شامل ہے اس میں بلا تفریق تمام قومیں آجاتی ہیں اور یہی اسلامی نظام خلافت کا منشاء ہے کہ تمام انسان مل جل کر محبت بھری زندگی گذاریں، اپنے اپنے مذہب و عقیدے پر قائم رہتے ہوئے صلہ رحمی کو قائم رکھیں۔ عداوت، نفرت اور بغض وحسد کو اپنے دلوں میں جگہ نہ دیں۔

غرض کہ اسلامی نظام خلافت علی منہاج النبوۃ کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں جغرافیائی بنیاد پر رنگ، نسل، خاندان اور مذہب و فرقہ کی بنیاد پر نوع انسانیت میں تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ جب سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو پھر کسی کو کسب زیب دیتا ہے کہ وہ رنگ و نسل یا ملک وملت پر فخر کرے البتہ ذاتی اوصاف و کمالات اس لائق ہیں کہ وہ باعث شرف و امتیاز بن سکتے ہیں۔

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں، محو غم دوش رہوں
تھی تو موجود ازل ہی سے تری ذات قدیم
پھول تھا زیب چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہرو دشت ہو سیلی زدۂ موج سراب

نام۔ جاہلی تمدن اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی
سابق چیئرمین، شعبہ عربی، جامعہ کراچی

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے جو نظام حیات عطا کیا ہے وہ کسی ایک دائرے تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ سیاست ہو یا معیشت، معاشرت ہو یا عائلی زندگی، کون سا شعبہ ایسا ہے جس میں واضح رہنمائی موجود نہیں۔ احادیث میں کتاب الادب کے تحت مستقل ابواب ہیں جس میں انسانی زندگی کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کے بارے میں تفصیلی ہدایات ملتی ہیں۔

ان ہی جزئیات میں ایک "نام" بھی ہے۔ ہر انسان کی اس دنیا میں آمد کے بعد اس کے تشخص کا پہلا ذریعہ اس کا نام ہے۔ نام سے ہی وہ پہچانا جاتا ہے۔ معاشرے میں تعارف حاصل کرتا ہے اور دیگر بنی نوع انسان کے مقابلے میں ایک امتیاز اور انفرادیت پاتا ہے۔

عربی میں نام کے لیے لفظ "اسم" استعمال ہوتا ہے جس کی جمع "اسماء" آتی ہے۔ "اسم" اور "اسماء" ہمارے یہاں اردو میں بھی اسی معنی میں رائج اور مستعمل ہیں۔ عربی زبان میں اسم کا مفہوم کیا ہے اور وہ کن معنوں میں بولا جاتا ہے اس کے لیے ہمیں لغت سے رجوع کرنا ہوگا۔

امام راغب اصفہانی اسم کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اسم وہ ہے جس سے کسی چیز کی ذات کا تعارف حاصل ہو"

علامہ قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں اسم کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔

"اسماء، اسم کی جمع ہے اور اسم وہ کلمہ ہے جس کو عرب ایک مخصوص معنی کے لئے بولتے ہیں کہ جب وہ لفظ ادا کیا جائے تو ذہن اس مخصوص معنی کی طرف منتقل ہو جائے"۔

ہر قوم کا بچوں کے نام تجویز کرنے میں اپنا ایک خاص ذوق ہوتا ہے جس میں تمدنی، معاشرتی اور دیگر بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے عربوں کی زندگی پر وہاں کی مخصوص آب و ہوا اور موسم کا بہت اثر تھا۔ قریش اور قحطانیوں کو چھوڑ کر بقیہ عرب کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے۔ خیموں میں رہتے اور مویشی پال کر ان کے دودھ اور گوشت سے پیٹ بھرتے اور سبزہ زاروں، بارانی علاقوں، چشموں اور کنووں کی تلاش میں مستقل گردش کرتے رہتے۔ اسباب رزق کی کمیابی کی وجہ سے آئے دن قحط سے دوچار ہوتے اور ایسی صورت حال میں ایک دوسرے کا مال و اسباب لوٹنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ زبان دانی پر وہ فخر کرتے، اولاد نرینہ کو پسند کرتے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ ان کی ساری زندگی مذکورہ صفات کے ارد گرد گھومتی تھی۔ ان کے ناموں کی روشنی میں ان کی تمدنی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں بھی جنگ و جدال، باہمی آویزش اور فخر و مباہات کے اثرات بہت نمایاں طور پر موجود ہیں۔ چنانچہ وہ دشمن پر غلبہ، فتح اور نصرت کا شگون حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں فتح و نصرت، غلبہ و انتقام، بیداری، چوکسی اور بہادری کا پہلو نکلتا ہو، جیسے: غالب (غلبہ حاصل کرنے والا)، غلاب، ظالم، عارم (بدخلق، مفسد)، منازل (مدمقابل)، مقاتل (جنگجو)، ثابت (ثابت قدم)، مسہر (بیدار)، سہوق (بیدار)، حذر (ہوشیار)، صبح (صبح آنے والا)، طارق (رات کو آنے والا)، عباس (ترش رو شیر)، ضرار (ضرر رساں)، حمزۃ (تیز اور شعلہ بار شیر)، مصعب (دشوار، سرکش)۔

اسی طرح دشمنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اولاد کے نام درندوں اور وحشی جانوروں کے نام پر رکھتے اور یہ توقع کرتے کہ وہ دشمنوں کے بالمقابل وحشی درندے ہی ثابت ہوں گے اور دشمن سے انتقام لینے میں ان صفات کا مظاہرہ کریں گے جو وحشی درندوں کا خاصہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہمیں اس قسم کے نام بکثرت ملتے ہیں: اسد (شیر)، لیث (شیر)، فراس (چیر پھاڑ کرنے والا)، ذئب (بھیڑیا)، ضرغام (شیر)، کلب (کتا)، فہد (تیندوا)۔

اسی جنگجو طبیعت کے زیر اثر وہ بچوں کے نام ایسے درخت اور پودوں کے نام پر بھی رکھتے تھے جو کانٹے دار، کڑوے، کسیلے اور غیر نفع بخش ہوں۔ ان ناموں میں ان کا مقصود اپنی قوت و شوکت کا اظہار کے ساتھ یہ تاثر بھی پیدا کرنا تھا کہ ان کی اولاد پر غلبہ و فتح حاصل کرنا دشمن کے لیے اتنا ہی دشوار ہوگا جس طرح ان درختوں اور پودوں سے نفع حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے اور یہ کہ ان کی اولاد ان ضرر رساں پودوں کی طرح دشمن کے لیے سخت خطرے اور نقصان کی باعث ہوگی۔ اس قسم کے ناموں میں درج ذیل نام بہت نمایاں ہیں: مثلاً عضاہ (کانٹے دار جھاڑی)، قرظ (کیکر سے مشابہ ایک درخت)، طلحہ (کانٹے دار درخت)، سمرۃ (کانٹے دار جھاڑی یا درخت)، قتادہ (سخت کانٹے والا درخت)، ہراسۃ (کانٹے دار درخت)۔

اسی طرح وہ سختی، درشتی اور انتہائی عزم و ہمت کے اظہار کے لیے اپنی اولاد کے نام زمین کے ایسے قطعات کے نام پر رکھتے تھے جن میں بلندی، سختی اور شوکت و عظمت پائی جاتی ہو اور یہ فرض کرتے کہ ان کی اولاد کو زیر کرنا اسی طرح مشکل ہوگا جس طرح اس قسم کے قطعات اراضی کو سر کرنا مشکل ہوتا ہے، جیسے: حجر (پتھر)، حجیر

(چھوٹا پتھر)، صخر (چٹان)، فہر (سخت پتھر)، جندل (بڑی چٹان)، جرول (پتھریلی زمین)، حزن (سخت زمین)، حزم (سخت اور بلند زمین)

بچوں کے نام تجویز کرنے میں ایک پہلو جو نمایاں طور پر ہمیں نظر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ عرب لوگ ناموں میں ایسے مفہوم کا اظہار چاہتے تھے جس میں کامیابی، کامرانی، آبادی، فلاح اور حصول مقصد کا شگون نکلتا ہو اور ساتھ ہی اولاد کی حفاظت اور سلامتی کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہو، جیسے: نائل (حاصل کرنے والا)، وائل (پہنچنے والا، نجات پانے والا)، ناجح (نجات حاصل کرنے والا)، مدرک (حاصل کرنے والا)، دراک (پسندیدہ چیز حاصل کرنے والا)، سالم (محفوظ)، سلیم (محفوظ)، مالک (مالک)، عامر (آباد کرنے والا)، سعد (خوش بخت)، سعید (بختاور)، مسعدۃ (سراپا سعادت)، اسعد (زیادہ بختاور)

اس جنگجو طبیعت کا حامل عرب کبھی کبھی انتہائی سادگی کا مظاہرہ بھی کر جاتا اور راہ میں نظر آنے والے جانور، حشرات الارض اور پرندوں چرندوں کے نام پر بھی اپنے بچوں کے نام رکھ دیا کرتا۔ ان ناموں سے جہاں ایک طرف دیہاتی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے وہاں دوسری طرف ان کی سادگی اور بھولپن کا پتہ بھی چلتا ہے، جیسے: ثعلب (لومڑی)، ثعلبہ (لومڑی)، ضب (گوہ)، ضبہ (گوہ)، ضبیع (بجو)، کلب (کتا)، حمار (گدھا)، قرد (بندر)، خنزیر (سور)، جحش (گدھے اور گھوڑے کا بچہ)، غراب (کوا)، صرد (لٹورا، ایک پرندہ)، بکر (جوان اونٹ)، عنز (بکری)۔

اپنی اولاد کے بارے میں اس قدر حساس طبیعت رکھنے والے عرب لوگ غلاموں کے بارے میں بالکل مختلف ذوق کے حامل تھے۔ غلاموں کے بارے میں ان کا ذوق نزاکت، شیرینی اور لفظی و معنوی حسن و جمال کا خواہش مند رہتا تھا۔

مذہبی تصورات، اوہام، کہانت اور شگون کو ان کی زندگی میں بڑا دخل تھا۔ عربوں کے یہاں ایسے نام بکثرت ملتے ہیں جن میں عبد کی اضافت کسی مشہور بت، سورج یا ستاروں کی طرف سے کی گئی ہے۔ مثلاً عبد العزی، عبد اللات، عبد مناۃ، عبد المدان، عبد شمس، عبد نہم یا عبد مناف۔

اسی طرح بہت سے نام کاہنوں اور نجومیوں سے پوچھ کر بھی رکھے جاتے تھے۔

قریش اور قحطانی چونکہ متمدن زندگی بسر کرتے تھے اس لیے ان کے ناموں میں ہمیں شہری زندگی کی جھلک ملتی ہے۔ مثلاً حبیب (پسندیدہ)، ربیعہ (عطردان)، حکم (حاکم)، بشر (کشادہ رو)، مروان (چقماق)، مالک (مالک)، خیار (پسندیدہ)۔

عورتوں کے ناموں میں ان کا ذوق نزاکت اور لفظی و معنوی حسن و جمال کی طرف مائل تھا، جیسے: آمنہ (امن والی)، زہرہ (گوری چٹی، سرسبز و شاداب)، عاتکہ (شریف، خوب خوشبو لگانے والی)، خولہ (ہرنی)، ماویہ (آئینہ، محبت کرنے والی)، لیلیٰ (شراب)، ہند (محبت کرنے والی)، برۃ (نیک)، بہنانہ (نازک اندام) *

زمانہ جاہلیت میں مصغر نام رکھنے کا بھی رواج تھا۔ تصغیر سے صوتی حسن کے ساتھ ساتھ پیار و محبت دونوں کا اظہار ہو جاتا تھا، مثلاً زبیر، عبید، سلیم، عمیر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمد ﷺ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد ﷺ عربوں کے یہاں بہت نادر الوجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام نامی محمد ﷺ تجویز فرمایا تو قریش کے بعض سرکردہ افراد نے اظہار تعجب کرتے ہوئے نام کی وجہ تسمیہ دریافت کرنا چاہی۔

''بعض ناقلان علم سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد حضرت عبدالمطلب نے عمدہ قسم کے اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ ذبح کیے جانے کے بعد آپ نے قریش کے سرکردہ افراد کو دعوت دی۔ قریش کے معززین کھانے کے لیے جمع ہوئے اور کھانے سے فراغت کے بعد حضرت عبدالمطلب سے پوچھنے لگے ''تم نے اپنے اس بیٹے کا کیا نام رکھا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا ''محمد ﷺ'' یہ سن کر لوگوں نے کہا ''تمہارے آباؤ اجداد میں سے تو کسی کا یہ نام نہیں ہے'' تو عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ''اس نام کے رکھنے میں میری آرزو یہ ہے کہ اس بچے کی آسمان و زمین دونوں جگہ تعریف کی جائے''۔

محمد مفعل کے وزن پر ہے اور حمد سے مشتق ہے۔ مفعل وزن کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں تکرار پائی جاتی ہے۔ یعنی مفعل کے وزن کے ذریعے جس صفت کو کسی شخص کے لیے بیان کیا جائے، وہ صفت اس میں تکرار کے ساتھ بار بار پائی جائے گی۔ اس طرح محمد کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شخص جس کی بار بار تعریف و توصیف کی جائے اور جو صفات حسنہ کا سراپا مجموعہ ہو۔ اسی طرح مکرم اور معظم کی صفت بھی اسی شخص کے لیے استعمال ہوگی جس کی بار بار تعظیم اور تکریم مقصود ہو۔

بہر حال عرب اس نام سے آشنا ضرور تھے اور زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کو یہود و نصاریٰ کے یہاں آمد و رفت تھی یا تجارت اور دیگر ضرورت سے شام وغیرہ آنا جانا رہتا تھا اور راہبوں وغیرہ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ ''محمد'' نامی ایک نبی سرزمین عرب میں جلد ہی مبعوث ہونے والا ہے بلکہ بعض افراد نے اپنے بچوں کے نام اس امید میں محمد رکھے کہ شاید وہ اس نام کی برکت سے ہی منصب نبوت سے سرفراز ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس دور میں جب افراد کے نام ''محمد'' ملتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد بن بلال بن احیحہ بن الجلاح۔ بلاذری نے اس کے باپ کا نام عقبہ نقل کیا ہے۔

۲۔ محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم۔

۳۔ محمد بن مسلمہ الانصاری بن عمرو بن تمیم۔

۴۔ محمد بن حمران الجعفی الشاعر۔ یہ امری القیس کا ہم عصر تھا، امری القیس اسے شویعر یعنی چھوٹا شاعر کہا کرتا تھا۔

۵۔ محمد بن الحرماز بن مالک بن عمرو بن تمیم۔

۶۔ محمد بن بر بن طریف بن عتوارۃ بن عامر بن لیث بن بکر عبد مناۃ بن کنانہ۔

۷۔ محمد بن خولی۔ ان کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا۔

۸۔ ابو محمد مسعود بن اوس بن اصرم بن زید ثعلبہ۔ یہ بدری ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔

۹۔ محمد بن خزاعی بن حزابہ۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو سلیم کی شاخ بنو ذکوان سے تھا۔

درج ذیل شعر میں محمد سے مراد یہی ہیں اور یہ شعر ان کے بھائی قیس بن خزاعی کا ہے۔

فذاکم ذوالتاج منا محمد
رابیۃ فی حومۃ الموت مخلق

۱۰۔ محمد الجشمی۔ ان کا تعلق قبیلہ سواءۃ سے تھا۔

۱۱۔ محمد الاسیدی۔

۱۲۔ محمد الفقیمی

مذکورہ تینوں افراد کا نام نبوت کی امید میں رکھا گیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تقاضائے محبت کے نتیجے میں مسلمانوں میں محمد نام رکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہت سے نومولود بچوں کے نام خود آپ نے بنفس نفیس محمد تجویز فرمائے۔ ان میں درج ذیل افراد خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ محمد بن جعفر بن ابی طالب۔ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی کے بیٹے۔

۲۔ محمد بن طلحہ بن عبید اللہ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا نام خود تجویز فرمایا تھا، ان کی کنیت ابو سلیمان تھی۔

۳۔ محمد بن حاطب بن الحارث

۴۔ محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ سن دس ہجری میں ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام خود تجویز کیا اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔

۵۔ محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ۔

۶۔ محمد بن عمرو بن حزم بن زید لوذان الخزرجی۔ یہ نجران میں اس وقت پیدا ہوئے جب ان کے والد وہاں عامل کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضرت عمرو بن حزم نے بذریعہ خط صاحبزادے کی ولادت کی اطلاع حضور ﷺ کو بھیج دی اور اس میں مجوزہ نام محمد اور کنیت ابو سلیمان بھی تحریر کر دی۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، بیٹے کا نام محمد مناسب ہے البتہ کنیت ابو سلیمان کے بجائے ابو عبدالملک رکھ دی جائے۔

۷۔ محمد بن الاشعث

مذکورہ محمد نامی حضرات میں سے محمد بن الاشعث، محمد بن طلحہ اور محمد بن حذیفہ کی کنیت بھی آنحضرت ﷺ کی کنیت پر ابو القاسم ہی تھی۔

آنحضرت ﷺ کا قرآنی نام احمد بھی زمانہ جاہلیت میں معروف تھا، چنانچہ درج ذیل قبائل اور افراد وہ ہیں جن کے نام سے عرب کے مختلف قبائل کی نسلیں چلتی ہیں۔ اس نام سے معروف ہیں۔

۱۔ احمد بن ثمامہ بن جدعا قبیلہ طئی کی ایک شاخ ہے۔

۲۔ احمد بن دومان بن بکیل۔ قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

۳۔ احمد بن زید بن غداش۔ قبیلہ سکاک کی ایک شاخ ہے۔

۴۔ بنو احمد۔ قبیلہ طئی کی ایک شاخ ہے۔

دعوت اسلامی کے عام ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے نام تجویز کرنے کے ذیل میں متعدد ہدایات دیں اور اصول مقرر فرمائے۔ ان میں پہلی ہدایت اور تعلیم یہ تھی کہ مناسب اور اچھے نام رکھے جائیں کیونکہ قیامت میں نام ہی سے پکارا جائے گا۔ پھر یہ کہ بچے کا نام رکھنے میں تاخیر نہ کی جائے اور جلد از جلد نام رکھ دیا جائے۔ بعض بچوں کو پیدائش کے روز ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے ان کے نام تجویز فرما دیئے۔ چنانچہ امام بخاری نے "باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنہ" کے تحت اس سلسلے میں بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔

بعض احادیث سے یہ مدت سات روز تک معلوم ہوتی ہے، چنانچہ امام ترمذی نے "باب فی تعجیل اسم المولود" کے تحت درج ذیل حدیث نقل کی ہے۔

"عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نومولود کے عقیقہ، صفائی اور نام رکھنے کا ساتویں دن حکم فرمایا ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز بھی نام رکھنے کی گنجائش موجود ہے پھر آنحضرت ﷺ نے ان ناموں کی نشاندہی بھی فرمائی جو نہ صرف آپ کو پسند تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی انتہائی محبوب ہیں، چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں حضرت ابن عمر سے درج ذیل حدیث منقول ہے۔

"حضرت ابن عمر نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ناموں میں اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"۔

سب سے زیادہ سچے نام کون سے ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اصدقھا حارث وھمام۔ سب سے زیادہ سچے نام اور حارث اور ہمام ہیں۔

عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے علاوہ جب ناموں پر آپ نے پسندیدگی کا اظہار کیا، ان میں ابراہیم سر

فہرست ہے۔ آپ نے خود اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم تجویز فرمایا تھا۔ انبیاء کے اسمائے گرامی بھی آپ کو انتہائی محبوب تھے۔ اسی لیے آپ نے انبیاء کے ناموں پر بچوں کے نام رکھنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ ابوداؤد میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے۔

تسموا باسماء الانبیاء "انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو"۔

ناموں کے بارے میں آپ انتہائی حساس تھے۔ ایسے نام جو مہمل ہوں یا ان میں جاہلیت کی عکاسی ہوتی ہو فخر و غرور یا خود ستائشی کا پہلو نکلتا ہو انہیں آپ کسی مناسب نام سے بدل دیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک شخص کا نام حباب تھا۔ آپ نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا اسی طرح حزن نام کو سہل سے تبدیل کر دیا۔

ایک خاتون کا نام برہ تھا، آپ نے اس بنا پر کہ اس میں خود ستائشی کا پہلو پایا جاتا ہے، بدل کر زینب رکھ دیا۔ اسی طرح حضرت ابن عمر سے ایک روایت ہے کہ ایک بچی کا نام عاصیہ تھا، آپ ﷺ نے اسے جمیلہ سے بدل دیا۔

اسی طرح عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، غادی، ظالم، اصرم، مرۃ جیسے نام بھی آپ نے تبدیل فرما دیئے۔

برے ناموں کے معاملے میں آپ اس قدر حساس تھے کہ اگر کسی جگہ کا نام بھی نامناسب ہوتا تو آپ اسے بھی تبدیل فرما دیتے، چنانچہ ایک جگہ کا نام ثنیۃ الضلالۃ تھا، آپ نے بدل کر ثنیۃ الہدیٰ کر دیا۔

سب سے زیادہ جس نام اور لقب کو آپ نے ناپسند فرمایا، وہ ملک الاملاک یعنی شہنشاہ ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

"روز قیامت اللہ کو سب سے زیادہ اس شخص کا نام ناپسند ہوگا جسے ملک الاملاک کہا جاتا ہے"

اسی طرح آپ نے کسی کا نام بگاڑ کر یا کسی کو برے لقب سے یاد کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ خود قرآن مجید اس سلسلے میں ممانعت موجود ہے۔ ارشاد ہے: ولا تنابزوا بالالقاب.

البتہ پیار سے کسی نام کو مصغر یا مختصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بسا اوقات حضرت ابوہریرہ کو "یا ابا ہر" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا عائش کے لقب سے پکارتے تھے۔

مسلمانوں میں خواہ ان کا تعلق سرزمین عرب سے ہو یا دنیا کے کسی اور خطے سے عام طور پر عربی زبان میں نام رکھنے کا رواج ہے۔ ایران و ہندوستان کے بعض علاقوں میں ہمیں فارسی یا ہندی نام بھی ملتے ہیں لیکن بہت خال خال۔ اسلام نے نام کے سلسلے میں زبان کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ یہی محض مسلمانوں کا قرآنی ذوق اور آنحضرت ﷺ سے محبت کا نتیجہ ہے کہ وہ دنیا کی خواہ کوئی زبان بولتے ہوں نام عربی میں رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں سب سے زیادہ مقبول نام ترکیب اضافی کے ساتھ ہیں۔ مقبول ترین مرکب نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عبداللہ نام معروف تھا۔ خود آنحضرت ﷺ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا لیکن مسلمانوں میں اس نام کی مقبولیت کا اصل سبب حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ یہ نام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ کتب اسماء رجال اور اعلام کی کتابوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو محمد اور احمد کے ساتھ ساتھ اگر کوئی نام ملتا ہے تو وہ عبداللہ اور عبدالرحمن ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ ارشاد کی پیروی رکھتے ہوئے امت مسلمہ نے اللہ جل شانہ کی دیگر تمام صفات کو بھی عبد کے ساتھ ملا کر نام کی شکل دے دی اور اور ناموں کا یہ سلسلہ اس قدر مقبول و معروف ہے کہ اس کے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں۔

بسا اوقات عبد کی نسبت لفظ اللہ کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دیگر صفات یا اہل بیت کے اسماء کی طرف بھی کر دی جاتی ہے۔ جیسے عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالحسن اور عبدالحسین وغیرہ۔ موخر الذکر اضافت کا سنی مسلمانوں میں بہت کم رواج ہے البتہ شیعہ حضرات کے یہاں اس قسم کے نام ضرور ملتے ہیں۔ سعودی عرب وغیرہ میں اس قسم کے ناموں میں تھوڑی سے ترمیم کر کے عبد کے بعد رب کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

عبدالمصطفیٰ کو عبدرب المصطفیٰ، عبدالنبی کو عبدرب النبی اور عبدالرسول کو عبدرب الرسول سے بدل دیا جاتا ہے۔ ہندو پاک میں ترکیب اضافہ کی ایک اور شکل بھی رائج اور مقبول ہے۔ کسی صفت یا اسم کی لفظ دین، حق رحمن یا کسی اور صفت کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے۔ جیسے نجم الدین، بدرالدین، صدرالدین، شمس الدین، نعیم الدین، عطاء الحق، ثناء الحق، مطیع الحق، حبیب الرحمن، حفیظ الرحمن، علیم اللہ، حفیظ اللہ، ناصر اللہ فضل اللہ، حبیب اللہ وغیرہ۔

اسی طرح عبد کا ترجمہ غلام کر کے سابقہ اسماء وصفات کے اضافے کے ساتھ نام رکھنے کا بھی خاصا رواج ہے، جیسے غلام نبی، غلام رسول، غلام اللہ، غلام یٰسین وغیرہ۔

ہندو پاک میں آنحضرت ﷺ سے اظہار عقیدت کے لیے بیشتر ناموں کے آغاز میں محمد کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے محمد احمد، محمد حامد، ترکیب اضافی والے ناموں میں بھی یہ اضافہ اکثر ملتا ہے، جیسے محمد عبدالحمید۔ ان مرکب ناموں سے بسا اوقات عرب شہ میں پڑ جاتے ہیں اور چونکہ اب ان کے یہاں باپ کے نام سے قبل لفظ ابن کے اضافے کا رواج ختم ہو گیا ہے اس لیے اس قسم کے مرکب ناموں کو وہ ایک کے بجائے کئی نام سمجھتے ہیں۔ مثلاً محمد عبدالمجید میں وہ اصل نام محمد سمجھیں گے اور عبدالمجید باپ کا نام قرار پائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ انبیاء کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھے جائیں، مسلمانوں میں انبیاء کے نام پر بکثرت نام رکھے جاتے ہیں اور تقریباً تمام مشہور انبیاء کے نام اس سلسلے میں مقبول ومتداول ہیں البتہ عام طور پر ان ناموں کے شروع میں محمد کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

خلفائے راشدین، جلیل القدر صحابہ، بزرگان دین، اعیان علماء، نامور جرنیل اور دیگر مقدس ہستیوں

کے نام بھی بکثرت رکھے جاتے ہیں اور اس سے مقصود ان بزرگوں کی قدسیہ سے انتساب اور ان خوبیوں کا حصول ہوتا ہے جو ان بزرگوں میں پائی جاتی تھیں۔

برصغیر ہندو پاک میں تاریخی نام رکھنے کا بھی خاصا رواج رہا ہے اور ایسے نام رکھے جاتے تھے جن میں مسمی کی تاریخ پیدائش بھی نکل آئے۔ اب تاریخی ناموں کا رواج خاصا متروک ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے نام طویل اور نامانوس ہونے کی وجہ سے زبان زد عام نہیں ہو پاتے تھے۔ بعض نام باوجود یکہ مفہوم اور معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں لیکن چونکہ ان ناموں کے ساتھ ایسی شخصیتیں منسوب ہو چکی ہیں جو امت مسلمہ میں اپنے گھناؤنے کردار اور ظلم وتشدد کی وجہ سے سخت ناپسندیدہ ہیں اس لیے ایسے ناموں سے برصغیر کے افراد عام طور پر احتراز کرتے ہیں۔ مثلاً یزید حجاج وغیرہ۔

البتہ یہ بات انتہائی باعث حیرت ہے کہ ہمارے یہاں پرویز نام رکھا جانے لگا ہے حالانکہ پرویز وہ شخص ہے جس نے حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا۔

برصغیر میں خال خال اور بنگال میں خاص طور پر کنیت کو نام کی شکل میں رکھا جاتا ہے جیسے ابوالاعلیٰ، ابو البشر، ابوالخیر، ابوالکلام وغیرہ۔

علاوہ ازیں برصغیر ہندو پاک میں پھولوں، جانوروں، دنوں اور مہینوں کے نام پر بھی بچوں کے نام ملتے ہیں۔ جیسے گلاب، یاسمین، سنبل، جمعہ، رمضان، شعبان، اسد، ضرغام، ضیغم

ہمارے یہاں ایک عجیب رواج قرآن مجید سے نام نکالنے کا ہے۔ قرآن مجید کے کسی صفحہ کو کھول کر صوتی یا ظاہری شکل کے اعتبار سے جو لفظ اچھا محسوس ہو، وہ نام کے طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو معنی پر غور کیا جاتا ہے اور نہ ہی منتخب لفظ کے بارے میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ وہ واحد ہے، جمع ہے، مذکر ہے یا مونث، مثلاً مقیم، مقیم، فرحین، عارفین، مرسلین، متقین، مستقیم وغیرہ۔

بعض نام مشترکہ طور پر بلا تفریق مرد وزن دونوں صنفوں کے لیے یکساں طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے اقبال، قیصر، عشرت، سرور، حیاۃ، ابتسام۔

برصغیر کے شیعہ حضرات کے یہاں عام طور پر آئمہ اثنا عشریہ ان کے اقرباء کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اضافی ناموں میں عبد یا غلام کی علی اور حسن حسین کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور غلو کا یہ عالم ہے کہ بعض عبد یا غلام کی جگہ کلب کا لفظ بھی ساتھ دیتے ہیں جیسے کلب علی، کلب عباس اور کلب باقر وغیرہ۔

ہمارے معاشرے میں آج کل تجدد کی جو لہر آئی ہوئی ہے اس کے اثرات نام پر بھی پڑتے ہیں۔ اچھوتے، مہمل اور غیر معروف ناموں کی وبا چل نکلی ہے اور اس شوق کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ بہت سے ایسے نام نظر آنے لگے ہیں جو جدت اور ندرت کے اعتبار سے یا تو سرے سے مہمل ہوتے ہیں جیسے تہمینہ، انیلہ، روبینہ یا اچھا مفہوم نہیں رکھتے، جیسے سنجہ وغیرہ۔

حوالہ جات

۱۔ محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن فی اللغۃ والادب والتفسیر وعلوم القرآن، ص ۴۴۳، طبع کراچی نور محمد کارخانہ کتب ۱۹۱۱ء

۲۔ محمد مرتضی الزبیدی، تاج العروس من شرح القاموس، طبع مصر المطبعۃ الخیریہ ۱۳۰۶ھ۔

۳۔ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب المصری، المواہب اللدنیہ، جلد ۳، ص ۱۱۲، طبع مصر المطبعۃ الازہریۃ ۱۳۲۷ھ۔

۴۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق، ص ۴، طبع مصر مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ ۱۳۷۸ھ۔

۵۔ ایضاً، ص ۸۔

۶۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی ۶۶۸ھ۔

۶ الف۔ ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی ۵۹۷ھ، الوفا باحوال المصطفی، جلد ۱، ص ۳۶، طبع مصر دارالکتب الحدیثہ۔

۷۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد ۴، ص ۵۰۸، طبع مصر مطبعۃ السعادۃ ۱۳۲۸ھ، واحد بن یحیی ۲۷۹، انساب الاشراف، جلد اول، ص ۳۸۔

۸۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق، ص ۸۔

۹۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق، ص ۹۔

واحد بن یحیی، انساب الاشراف، جلد اول، ص ۵۳۸۔

۱۰۔ احمد بن یحیی، انساب الاشراف، جلد اول، ص ۵۳۸۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۱ الف۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید ۳۲۱، الاشتقاق، ص ۹۔

۱۱ ب۔ ابن سعد، جلد اول، ص ۱۱۱۔

۱۱ ج۔ ایضاً۔

۱۲۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن الازدی الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد ۲، ص ۳۹۴، الہند، المطبعۃ المصطفائیہ ۱۳۰۰۔

۱۳۔ محمد بن خاطب، الاصابہ تذکرہ۔

۱۴۔ احمد بن یحیی، انساب الاشراف، جلد اول، ص ۵۳۸۔

۱۵۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن الازدی الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد ۲، ص ۳۹۴۔

۱۶۔ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف المالکی ۱۱۲۲ھ، شرح مواہب اللدنیہ، جلد ۳، ص ۳۳۳۔

۱۷۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن الازدی الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد ۲، ص ۳۹۴، الہند، المطبعۃ المصطفائیہ ۱۳۰۰۔

۱۸۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق، ص ۱۰۔

۱۹۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ھ، الصحیح جلد ۲، ص ۸۲۱، طبع نور محمد اصح المطابع ۱۹۳۸ء۔

۲۰۔ ابوعیسی محمد بن عیسی، جامع الترمذی، جلد ۲، ص ۱۰۶، طبع ہندوملی، مطبع مجتبائی۔

۲۱۔ سلیمان بن اشعث الازدی ۲۷۵، السنن جلد ۲، ص ۶۷۷۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۶۷۶۔

۲۴۔ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، المصنف، جلد ۱۱، ص ۴۰، طبع مجلس علمی ۱۳۹۲ھ۔

۲۵۔ بخاری جلد ۲، ص ۹۱۴، ابوداؤد جلد ۲، ص ۶۷۷، والمصنف جلد ۱۱، ص ۴۱۔

۲۶۔ ابوداؤد جلد ۲، ص ۶۷۷۔

۲۷۔ سنن ترمذی، جلد ۲، ص ۱۰۷، وابوداؤد جلد ۲، ص ۶۷۷۔

۲۸۔ ابوداؤد جلد ۲، ص ۶۷۷۔

۲۹۔ عبدالرزاق، المصنف جلد ۱۱، ص ۴۳۔

۳۰۔ بخاری جلد ۲، ص ۹۱۲ وترمذی جلد ۲، ص ۱۰۷۔

۳۱۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۱۔

۳۲۔ بخاری جلد ۲، ص ۹۱۵۔

اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے
مشکلیں امت مرحوم کی آساں کردے
مور بے مایہ کو ہم دوش سلیماں کردے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کردے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کردے